شبیر احمد خاں غوری

مسئلۂ صفاتِ باری

اعتذار

ثقافت (مئی ۱۹۶۰ء) میں اس عاجز کا ایک مقالہ بعنوانِ صفاتِ باری شائع ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ فاضل مقالہ نویس نے میرے معروضات پر غور کرنے کی زحمت نہیں فرمائی۔ میرا مقصد محض اتنا تھا

"ہر شخص کو ہر مسلک کی ترجمانی کا حق ہے، بالخصوص علمی رسائل و جرائد میں۔ لیکن اس قسم کے اہم مسائل میں دیگر مسالک کی بھی نشاندہی کر دینا چاہیے۔ یا کم از کم ان کے دلائل بیان کر کے ان کی تردید یا تضعیف یا تنقید تو کرنا ہی چاہیے۔"

مسئلۂ صفاتِ باری یا اس جیسے اہم اختلافی مسائل کی دو حیثیتیں ہیں:

ا۔ علمی و تاریخی: اس حیثیت سے مقالہ نویسوں کو اس مسئلے کے فکری و معاشرتی دواعی، اس کا آغاز و ارتقا، اس کے باب میں مختلف مکاتبِ فکر، نیز ان مختلف مکاتبِ فکر کے احتکاک و تصادم سے جو ان کے مسالک میں تبدیلی ہوئی اس کی تفصیل کو بیان کرنا چاہیے۔

ب۔ مذہبی و دینی: اس حیثیت سے ہر مقالہ نویس اپنے مسلک کی ترجمانی کر سکتا ہے لیکن اور نہیں تو کم از کم اپنے مسلک کی تائید و تشہید ہی کے لیے اسے دوسرے مسالک کی نشاندہی کر کے دلائل و براہین سے ان کی تردید کرنا چاہیے۔ یا اپنے مسلک کی ترجیح کے لیے دوسرے مسالک کی کمزوری واضح کرنا چاہیے بالخصوص ایسے علمی رسائل و جرائد میں جو اپنے کو کسی ایک فرقہ کے معتقدات کی ترجمانی سے وابستہ نہیں کرتے۔

صورتِ حال یہ ہے کہ برِ کبیر پاک و ہند کا سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت اور حنفی المسلک ہے۔ اور یہ اتنی بدیہی حقیقت ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اسے جانتے ہیں بلکہ یہ قانونی طور پر مسلم شدہ امر ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب کہ غیر منقسم ہندوستان کی آخری عدالت پریوی کونسل تھی۔ موخر الذکر کے ایک جج لارڈ تھینکرٹن نے مقدمہ رشید احمد وغیرہ بنام انیس خاتون وغیرہ میں اپنے فیصلہ کے ضمن میں لکھا تھا:

موضوعات پر گراں بہا اور قابل قدر سرمایہ الندوہ نے فراہم کر دیا ہے جو آج بھی اپنی افادیت اور معنویت کے اعتبار سے اتنا ہی اہم ہے جتنا پہلے تھا، اور شاید ابھی عرصہ دراز تک اس کی یہ خصوصیت قائم رہیگی

مولانا ابوالکلام سب سے پہلے الندوہ کے صفحات پر نمایاں ہوئے۔ ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کو جلا اسی تربیت گاہ میں ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی جو نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے بلکہ عالم اسلام کے مانے ہوئے محقق اور مورخ تھے، سب سے پہلے الندوہ کے صفحات پر چمکے۔ اور بعد میں اس کے سب ایڈیٹر بھی ہو گئے۔ مولانا عبدالسلام ندوی تاریخ و سوانح پر جن کی کتابیں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں، دنیا نے انہیں سب سے پہلے الندوہ کے ایک مضمون نگار کی حیثیت سے جانا۔ اور بھی متعدد اصحاب ہیں جنہیں الندوہ نے روشناس خلق کیا۔ اور بعد میں وہ علمی دنیا میں مرتبۂ خاص پر فائز ہوئے۔

الندوہ بعض مشکلات کے باعث زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکا لیکن اس نے اپنی مختصر مدتِ حیات میں جو علمی کارنامے انجام دیے ہیں انہیں اردو زبان کا مورخ کبھی نہیں فراموش کر سکے گا۔ الندوہ کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آج بھی اس کی جگہ خالی ہے۔

اسلام اور رواداری

مصنفہ رئیس احمد جعفری

قرآن کریم اور احادیث نبوی کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ کیا حسن سلوک روا رکھا ہے اور انسانیت کے بنیادی حقوق ان کے لیے کس طرح اعتقاداً اور عملاً محفوظ کیے ہیں۔

حصہ اول صفحات ۳۲۲۔ قیمت ۴/۷ روپے

حصہ دوم صفحات ۴۷۴۔ قیمت ۸/۷ روپے

سرگزشتِ غزالی

مترجمہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی "المنقذ" کا اردو ترجمہ جس میں انہوں نے اپنے فکری و نظری انقلاب کی دلچسپ داستان بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح انہوں نے جبہ و عبا اور مسند و دستار کی زندگی چھوڑ کر گلیم و فقر کی روش اختیار کی اور تصوف کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

قیمت ۳ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

مذاھب۔ لیکن کیا اچھا ہوتا کہ وہ انھیں سے یہ بھی پوچھ لیتے کہ آیا انہوں نے کتاب اللہ و سنت رسولؐ سے اس مسلک کو اخذ کیا ہے یا کہیں اور سے۔ بصورت اول ہر مسلمان کا اس کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ بصورت ثانی "وَلٰكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" اور "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" کے محکمات قرآنی کے بعد کوئی مسلمان ان بدعات و اختراعات کے سننے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

فاضل مقالہ نویس کو یہ بھی حق ہے کہ قال رازی کے بجائے حال رومی پر ایمان لے آئیں مگر مشکل یہ ہے کہ سواد اعظم اس "حال" "کشف" اور "الہام" (کے افادۂ صحت) کا منکر ہے۔ چنانچہ عقائد نسفی میں جو احناف کی مسلمہ کتاب ہے لکھا ہے:

وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ مِنْ اَسْبَابِ الْمَعْرِفَةِ بِصِحَّةِ الشَّيْءِ عِنْدَ اَهْلِ الْحَقِّ۔

اور اہل حق کے نزدیک الہام کسی بات کی صحت کے اسباب معرفت میں سے نہیں ہے۔

اور اس کی شرح میں علامہ تفتازانی نے لکھا ہے:

ثُمَّ الظَّاهِرُ اَنَّهٗ اَرَادَ اَنَّ الْاِلْهَامَ لَيْسَ سَبَبًا يَحْصُلُ بِهِ الْعِلْمُ لِعَامَّةِ الْخَلْقِ وَيَصْلُحُ لِلْاِلْزَامِ عَلَى الْغَيْرِ۔

ظاہر یہ ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ الہام ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے عامۂ خلق کو علم حاصل ہو سکے اور جو دوسروں پر حجت بننے کی صلاحیت رکھ سکے۔

اسی طرح ابوالبرکات نسفی نے "المنار" (فی اصول الفقہ) میں لکھا ہے:

وَهٰذَا كَالْاِلْهَامِ فَاِنَّهٗ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ فِيْ حَقِّهٖ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْ حَقِّ غَيْرِهٖ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ۔

نبی کا اجتہاد اس کے الہام کی طرح ہے جو اس کے حق میں حجت قاطعہ ہے اگرچہ غیر نبی کے حق میں اس الہام کا یہ حکم نہیں ہے۔

اور اس کی شرح میں ملا جیون نے "نور الانوار" کے اندر لکھا ہے:

فَاِلْهَامُهٗ قِسْمٌ مِنَ الْوَحْيِ يَكُوْنُ حُجَّةً مُتَعَدِّيَةً اِلٰى عَامَّةِ الْخَلْقِ وَاِلْهَامُ الْاَوْلِيَاءِ حُجَّةٌ فِيْ حَقِّ اَنْفُسِهِمْ اِنْ وَافَقَ الشَّرِيْعَةَ وَلَمْ يَتَعَدَّ اِلٰى غَيْرِهِمْ اِلَّا اَنَّهٗ اِذَا اَخَذْنَا بِقَوْلِهِمْ بِطَرِيْقِ الْاٰدَابِ۔

نبی کا الہام اس کی وحی ہی کی قسم ہے جو عامہ خلق کے لیے بھی حجت بن جاتا ہے بخلاف ولی کے الہام کے جو صرف ان کے اپنے حق میں ہی حجت ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ شریعت کے موافق ہو۔ اور ولی کا الہام اس کے معتقدین کے لیے حجت نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ لوگ بطریق آداب اس پر عمل کریں۔

"اس مقدمہ میں یہ اعتراض نہیں اٹھایا گیا کہ فریقین سنی مسلمان نہیں ہیں جو حنفی فقہ کے متبع ہیں اور معزز ججوں کی رائے میں اس جیسے معاملہ میں جو قانون طلاق لاگو ہوگا وہی ہے جو ولسن نے اپنی کتاب اینگلو محمڈن ڈائجسٹ میں بیان کیا ہے۔"

(ALLAHABAD LAW JOURNAL REPORT VOL. XXX. FOR 1432 - P. 346)

یعنی عدالت کا معمول یہی ہے کہ برصغیر کے ہر مسلمان کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہ حنفی المسلک سنی ہے الّا یہ کہ وہ اس کے خلاف دعوے کرے۔ بالفاظ دیگر ملک کی عام مسلمان آبادی حنفی المسلک سنی ہے۔

رازی، غزالی، تفتازانی۔ اچھے ہوں یا بُرے اور خواہ کوئی انہیں سرتاپا باطل ہی کیوں نہ سمجھے وہ سواد اعظم کے ہرحال مقتدا ہیں۔ اب اگر کوئی صاحب دیانتداری کے ساتھ کسی مسئلہ میں ان کے قول کو شرع یا عقل کے خلاف سمجھتے ہیں تو کھل کر کہیں۔ آخر انہوں نے بھی کتاب و سنت ہی سے استشہاد کرکے اور مقتضائے عقل سے اس کی تائید پاکر ہی تو یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ ان کے استشہاد یا استدلال میں کمزوری ہے تو اسے اس کی نشاندہی کرنا چاہیے اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے بغیر کسی شرعی، عقلی دلیل کے محض لال بجھکڑ پن یا کسی بدنیتی یا غرض دنیوی کی وجہ سے یہ مسلک اختیار کیا ہے تو ان کی اس حرکت کو بے نقاب کرنا چاہیے اس قسم کے مجمل حکم سے کام نہیں چلنے کا کہ

"یہ کوئی ضرور نہیں کہ اشاعرہ کی ہر بات درست ہو اور معتزلہ اور صوفیہ کی اور فلاسفہ کی ہر بات غلط ہو۔"

تفصیل و تعیین کے ساتھ مسئلہ صفات باری میں اس اصول کا اجرا کرنا چاہیے اور مختلف مسالک پر محاکمہ کرکے فیصلہ قارئین کے لیے چھوڑ دیجیے۔ یہ بات کہ

"رازی، غزالی، تفتازانی وغیرہم نے بقصد معتزلہ غنیت کی تردید میں شدت اختیار فرمائی ہے۔"

ان بزرگوں پر محض افترا و بہتان ہے۔ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ خود معتزلہ نے غیر اسلامی اثرات کے نتیجہ میں یہ مسلک اختیار کیا تھا۔

فاضل مقالہ نویس کو مسلک اہل تصوف کو زیادہ صحیح سمجھنے کا پورا حق ہے وللناس فیما یعشقون

مستوجب نہیں ہے۔

۲۔ فاضل مقالہ نویس نے آرنلڈ صاحب سے استشہاد کی جو توجیہہ فرمائی ہے وہ اطمینان بخش نہیں۔ بات اگر محض تاریخی جائزے تک ہی محدود ہوتی تو علمائے اسلام کے ساتھ غیر مسلم مستشرقین کے حوالوں میں مضائقہ نہ تھا۔ یا صرف ایک انگریز مستشرق سے استشہاد زیادہ معیوب نہ ہوتا اگر وہ بھی غیر عربی دان جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لیے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک فاضل کے لیے نہیں، لیکن مقالہ نویس نے اس مسئلہ کو ان مقدمات کا پیش خیمہ بنا دیا ہے جن پر ایمان کے کمال و نقصان کا مدار ہے۔ اس اہم مسئلہ میں، اگر بالفرض کتاب و سنت کے اندر جواب نہ مل سکے تو صرف علمائے اسلام ہی حکم ہونے کے مستحق ہیں۔ اس لیے محدثین کرام و متکلمین عظام کی تصانیف سے صرف نظر کرنا اور ایک انگریز مستشرق سے استشہاد پر اکتفا کرنا غیر مستحسن ہے:

میں اس عزت افزائی کے لیے شکر گزار ہوں کہ جب فرقہ جہمیہ کی تائید یا تردید سے کوئی بحث ہو تو میری پیش کردہ فہرست کتب سے فائدہ اٹھایا جائے گا مگر مجھے اپنی ہیچ میرزی و ہیچمدانی کا اور فاضل مقالہ نویس کی عظمت و جلالت کا پورا احساس ہے۔ یہ ان کی ذرہ نوازی ہے۔ ہاں اگر "ان کا نقطہ نظر کتاب اللہ اور کتب احادیث کے مندرجہ اسمائے حسنیٰ کو مع ان کے اختلاف کے پیش کرنا تھا" تو ان علمائے سلف کے افادات کو ضرور درخور اعتنا سمجھنا چاہیے تھا جنہوں نے فہم کتاب و سنت کے باب میں مسلمہ خدمات چھوڑی ہیں۔

۳۔ فاضل مقالہ نویس کو خوشی ہے کہ انہوں نے وہی شبہ پیش کیا ہے جو آج سے ہزار سال پہلے پیش ہو چکا ہے لیکن واقعی خوشی اس وقت ہوتی جب کہ وہ اس شبہ کا جواب بھی تحریر فرمانے کی زحمت گوارا فرماتے۔

اور غالباً یہ کوئی مشکل کام بھی نہ ہوتا بشرطیکہ وہ مستشرقین کی تحقیق انیق کے ساتھ علمائے اسلام کی کاوشوں کا تتبع و تفحص فرماتے۔

فاضل مقالہ نویس نے فرمایا ہے:

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ "عینیت ذات و صفات باری" کے باب میں فاضل مقالہ نویس کی رائے ہیچ مچ بوعلی کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس نے الحکمۃ العرشیہ میں لکھا ہے:

ظاہر ہے معتقدات آدابِ سے خارج ہیں۔ اس لیے متفقہ طور پر غیر نبی کا الہام خواہ ولی ہو یا صوفی نہ اس کے اپنے لیے حجت ہے نہ دوسروں کے لیے (اپنے لیے بھی حجت ہے جب کہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ لہذا حجت حقیقی کتاب اللہ و حدیث رسول ہی ٹھہری۔

غرض سوادِ اعظم نہ "قالِ رازی" کا قائل ہے نہ "حالِ رومی" کا۔ اسے تو کتاب و سنت ہی کا اتباع کرنا ہے۔ یہی راہ ہدایت ہے ورنہ گمراہی و ضلالت۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

فاضل مقالہ نویس نے مولانا روم کا یہ شعر تحریر کیا ہے:

گر باستدلال کار دیں بدے　　　فخر رازی رازدار دیں بدے

کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس سے اوپر کے دو شعر بھی نقل فرما دیتے:

تا بخوانی حکمت یونانیاں　　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

حکمت یونانیاں چوبیں بود　　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور متفلسفین ہوں یا متصوفین اسی "حکمت یونانیاں" کے ترجمان ہیں۔ اسی لیے ان کے اکثر نظریات اسی "حکمت یونانیاں" کی صدائے بازگشت ہیں۔ اور "حکمت یونانیاں" کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ یونان کے قومی مذہب شرک و تکثیر کی حمایت و مدافعت کی کوشش تھی۔ چنانچہ متاخرین فلاسفۂ یونان (جن سے نام نہاد حکمائے اسلام نے حکمت و فلسفہ کو اخذ کیا ہے) کے بارے میں ولیم نیل لکھتا ہے:

"یہ فلسفی متعدد دیوتاؤں کی پرستش کے آخری حامی تھے لیکن تکثیر نے ان کے ہاں فلسفیانہ توجیہ اختیار کر لی تھی"[1]۔

اس کے بعد اس عاجز کی یہ معروض کہ

"واقعہ یہ ہے کہ نام نہاد عینیت ذات و صفات کا قول شرک جلی کا تاریخی نتیجہ ہے"۔

فاضل مقالہ نویس کے اس عتاب کی کہ

"اہل تصوف کے نظریے کو شرک جلی (شرک خفی بھی نہیں بلکہ شرک جلی) کا تاریخی نتیجہ قرار دینا اجتراء محض ہے"۔

---

(۱) مختصر تاریخ فلسفۂ یونان، ص ۲۴